حضرت نوح علیہ السلام کا طریق نصیحت

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۹ / اپریل ۱۹۸۳ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ الاعراف کی مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۶۰ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۳ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝۶۴

(الاعراف: ۶۰، ۶۳-۶۴)

اور پھر فرمایا:

میں نے ایک گزشتہ خطبے میں جماعت کو ان انبیاء کے واقعات کی طرف توجہ دلائی تھی جن کو قرآن کریم نے ہمارے لئے نصیحت کے طور پر محفوظ کیا ہے۔ قرآن کریم کا یہ اسلوب ہے کہ جو بھی تعلیم دیتا ہے یا جن باتوں سے منع فرماتا ہے تاریخ مذاہب سے ان کی ایسی عملی مثالیں بھی ہمارے سامنے رکھتا ہے جو اپنے مضمون میں ایک خاص شان رکھتی ہیں۔ پس کسی موضوع پر بھی ہدایت اور رہنمائی کے لئے آپ قرآن کریم کی طرف رجوع کریں تو آپ کو نہ صرف تعلیم ملے گی بلکہ اس کے عملی نمونے بھی قرآن کریم میں نظر آئیں گے۔

آجکل میں جماعت کو خاص طور پر ''داعی الی اللہ'' بننے کی تلقین کر رہا ہوں۔ اسی سلسلے میں میں نے نصیحت بالحق جس کو تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہتے ہیں اس کی طرف متوجہ کیا تھا۔ اسی طرح نصیحت بالصبر کی طرف بھی متوجہ کیا تھا۔ انبیاء کی تاریخ جو قرآن کریم میں محفوظ ملتی ہے اس میں ان دونوں امور کے نہایت ہی اعلیٰ نمونے نظر آتے ہیں۔ اور اگر ہم اس تاریخ پر اس نقطہ نگاہ سے نظر دوڑائیں کہ ہمیں بہترین نصیحت کے طریق معلوم ہوں، نصیحت حق کے ساتھ کیسے کی جاتی ہے، کس بات کو نصیحت بالحق کہا جاتا ہے اور صبر کے بہترین طریق معلوم ہوں تو ان قصص پر ہمیں غور کرتے رہنا چاہئے۔

سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے جن کی نصیحتیں محفوظ کی گئیں۔ اگر چہ ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام، حضرت شیث علیہ السلام اور ایک اور نبی گزرے ہیں لیکن جہاں تک قرآن کریم میں انبیاء کی نصائح کو محفوظ کرنے کا تعلق ہے، پہلے نبی جن کی نصیحتوں کا نمونہ ہمارے سامنے رکھا گیا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی نصیحتوں پر غور کریں یا دیگر انبیاء کی نصیحتوں پر جیسا کہ میں بعد میں بیان کروں گا، ان سب میں ہمیں ایک بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نصیحتوں میں منقولی دلائل کی بجائے فطری دلائل پر زور دیا گیا ہے۔ میں نے عملاً فطری دلائل کے الفاظ استعمال کئے ہیں عقلی دلائل کے نہیں اس لئے کہ عقلی دلائل میں فلسفے اور منطق کے ایچ پیچ ہوتے ہیں لیکن فطری دلائل مَیں ان کو کہتا ہوں جو انسانی فطرت کی آواز ہوتی ہے۔ اس کے لئے کسی لمبی چوڑی فلسفیانہ، منطقیانہ یا نقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دل سے نکلی ہوئی سچائی کی آواز ہوتی ہے جو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور چونکہ اس کے پیچھے کوئی منطقی ایچ پیچ نہیں ہوتا اس لئے اس میں کسی کج بحثی کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ سیدھی بات ہے کہ مانو یا نہ مانو، تمہاری مرضی۔ مانو گے تو تمہیں فائدہ ہوگا اور اگر نہیں مانو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

یہ طرز ہے انبیاء کی نصیحت کی جو اکثر صورتوں میں ہمیں محفوظ ملتی ہے۔ حجت و براہین کا بھی ذکر ملتا ہے جو ایک خاص انداز کی حجت و براہین ہیں لیکن جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی نصائح کا تعلق ہے وہ ساری فطری نوع کی نصائح ہیں۔ سب سے پہلے تو قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب

حضرت نوح علیہ السلام کو خدا نے ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا اے قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں تمہیں عذاب عظیم کے دن سے ڈرا رہا ہوں۔ اب اس بیان میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ ایک سیدھی سادی نصیحت ہے لیکن دل کی گہرائی سے نکلی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم پر ہلاکت کا ایک خوف محسوس کر رہے ہیں اور اس کو بروقت متنبہ کر رہے ہیں۔

پھر آپ کہتے ہیں اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا رہا ہوں اور تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔ ایسا کیوں کر رہا ہوں؟ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اس لئے کہ مجھے میرے اللہ نے بعض ایسی خبریں دی ہیں جن کا تمہیں علم نہیں ہے، تم نہیں جانتے کہ تمہارے ساتھ کیا ہونے والا ہے اور تم پر کیا واقعات گزر جائیں گے؟ پس میں تمہیں ایک باخبر انسان کی حیثیت سے متنبہ کرتا ہوں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام قوم کے انکار کی وجہ کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کہتے ہیں میں جانتا ہوں کہ تم کیوں انکار کر رہے ہو۔ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے نصیحت کا سامان کیا ہے؟ اس نے تمہارے لئے ایک مذکر، ایک نصیحت کرنے والا بھیجا اور نصیحت کی صورت میں اپنا کلام نازل فرمایا۔ دوسری تعجب کی بات یہ ہے کہ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ تم میں سے ایک عام انسان کو اپنا نمائندہ بنا کر کیوں بھیجا؟ فرمایا لِيُنْذِرَكُمْ اس لئے بھیجا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تا کہ تم تقویٰ اختیار کرو اور تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اگر آپ اس دلیل پر غور کریں تو ایک بات واضح طور پر سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اکثر قومیں تعجب کی بنا پر انکار کرتی ہیں۔ تعجب عدم ایمان کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایمان اٹھ چکا ہوتا ہے اور یہ بات کہ واقعۃً اللہ کسی بندے سے کلام بھی کرتا ہے یا کر سکتا ہے صرف قصہ اور کہانی ہو جاتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پرانے زمانے میں اس واقعہ کا ظہور تو ہم مان سکتے ہیں جو اب صرف ایک کہانی رہ گیا ہے لیکن واقعاتی دنیا میں ایسا ہو جائے، اس پر کسی کو ایمان نہیں ہوتا۔ مگر اس سے بھی انکار نہیں کہ جب بھی خدا نے کسی کو بھیجا ہے اسی طرح بھیجا ہے۔

یہ دلیل اپنی ذات میں بظاہر کوئی وزن نہیں رکھتی اس لئے کہ یہ ایک دعویٰ ہے لیکن دعویٰ اس نوعیت کا ہے کہ جب آپ اس کا تجزیہ کریں تو اس کو مانے بغیر چارہ نہیں۔ جب سے دنیا بنی ہے اور خدا تعالیٰ

نے کسی کو ہدایت کے لئے بھیجا ہے ہمیشہ سب سے بڑی وجہ انکار کی یہی تعجب ہوا ہے۔ لوگ یہی کہتے رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے اچانک اللہ تعالیٰ نے ہم جیسے ایک عام انسان سے کلام شروع کر دیا ہو اور اس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہو کہ جاؤ اور قوم کو نصیحت کرو اور اسے ڈراؤ۔ قرآن کریم بار بار ایسے تعجب کا ذکر فرماتا ہے اور جب آپ تاریخ انبیاء پر نظر دوڑائیں تو ہمیشہ اس بات کو سچا پائیں گے۔ پس دعویٰ ایسا ہے جس کی تاریخ انسانی گواہی دے رہی ہے۔ اس کے سوا کوئی اور واقعہ نظر ہی نہیں آتا۔

اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری سچائی کی دلیل اس پیغام میں ہے جو میں تمہارے پاس لے کر آیا ہوں اور وہ یہ ہے کہ لِيُنْذِرَكُمْ تمہیں ڈرایا جائے، وَلِتَتَّقُوا تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ اور تمہیں ایسے راستوں پر ڈالا جائے جن پر چلنے کے نتیجے میں تم پر رحم کیا جائے۔ یہ بھی بظاہر ایک دعویٰ ہے لیکن اپنی صداقت کی دلیل اپنے اندر رکھتا ہے۔ آپ دنیا میں کبھی کوئی جھوٹا نہیں دیکھیں گے جو یہ کام کرنے کے لئے آیا ہو۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جھوٹا نیکی کی تعلیم دے۔ جھوٹے کی تعلیم کا جائزہ لیا جائے تو پتہ لگے کہ اس پر عمل کرنے کے نتیجے میں رحم کیا جائے گا اور جھوٹے کی تعلیم پر عمل کریں تو معلوم ہوگا کہ بڑے خطرناک واقعات سے متنبہ کر رہا ہے کہ تم اپنی اصلاح کر لو ورنہ ہلاکت تمہارے سامنے کھڑی ہے اور جلد یا بدیر تم اس ہلاکت میں مبتلا ہو جاؤ گے؟ یہ تین باتیں جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے متعلق بیان فرمائی ہیں ایسی ہیں کہ جب سے دنیا بنی ہے کسی جھوٹے نے نہیں کہی ہیں اور نہ ہی اس کا یہ مقصد ہوتا ہے۔

پس قرآن کریم کی نصائح جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے سیدھی سادی نصائح ہیں جو بظاہر دلیلیں ساتھ نہیں رکھتیں لیکن مبنی برحق ہیں۔ اس کو کہتے ہیں تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ کہ مومنوں نے حق کے ساتھ نصیحت کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سچائی میں اتنا وزن ہے اور اس کے اندر قائل کرنے کی اتنی طاقت ہے کہ وہ خود اپنی دلیل بن جاتی ہے۔ جس طرح سورج خود اپنی دلیل بن جاتا ہے، روشنی خود اپنی دلیل ہوتی ہے اسی طرح سچائی خود اپنی دلیل ہوتی ہے۔ کسی ایچ پیچ کی اس کو ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے پیغام کو سن کر ان کی قوم نے وہی جواب دیا جس کے متعلق وہ پہلے ہی اس کو متنبہ کر چکے تھے۔ آپ نے ان کو بتایا کہ میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل کے کیا حالات ہیں؟ میں خوب سمجھتا ہوں کہ تمہارے ذہن میں کیا باتیں گزر رہی ہیں اور کیا شکوک ہیں؟ تم کہتے ہو ہماری

طرح کا ایک آدمی اٹھا ہے اور خدا نے اس سے کلام کرنا شروع کر دیا ہے، ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں۔

اس سے ایک اور بات کا پتہ لگا اور وہ یہ کہ وہ پہلا نبی جس کی نصیحتیں محفوظ کی گئیں اس کے زمانے میں بھی یہی عقیدہ ہو گیا تھا کہ اب کوئی ہدایت دینے والا نہیں آئے گا۔ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں بھی لوگ نفسیاتی لحاظ سے اس بیماری میں مبتلا ہو چکے تھے کہ اب کوئی نہیں آ سکتا۔ پہلے زمانوں میں خدا نے کسی کو بھیج دیا ہو تو ہم مان لیتے ہیں لیکن اب کسی کی ضرورت نہیں۔ گویا حضرت نوحؑ کے زمانے کا انسان اپنے آپ کو بڑا Advanced اور ایسا ترقی یافتہ سمجھ رہا تھا جس کی عقل روشن ہو چکی تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ اب میں بالغ نظر ہو گیا ہوں۔ پرانے لوگوں میں ان کو کوئی نصیحت کرنے والا آیا ہو تو کوئی حرج نہیں لیکن ہمارے اندر ہم میں سے کوئی اٹھے اور کہے کہ خدا مجھ سے کلام کرتا ہے یہ ہم نہیں مانیں گے۔ پس نبوت کے ہمیشہ کے لئے بند ہونے کا تصور اسی پہلے نبی کی قوم نے پیش کیا جس کے واقعات قرآن کریم نے ہمارے سامنے تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

بہر حال حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے جو جواب دیا اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (ھود:۲۸)

قوم کے بڑے لوگوں نے کہا اے نوح! ہم تو تجھے اپنے جیسا ایک عام انسان دیکھ رہے ہیں۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ (ھود:۲۸)

صرف یہی نہیں کہ تم ہم جیسے عام انسان ہو بلکہ ہم میں سے بھی ایک حقیر انسان ہو کیونکہ تمہاری پیروی کرنے والے سارے کے سارے گھٹیا قسم کے لوگ ہیں۔ حقیر لوگوں سے تیرا آغاز ہوا ہے۔ ہم کسی بڑے عالم کو تمہاری جماعت میں نہیں دیکھتے، نہ ہی کسی بادشاہ اور بڑے نواب نے تمہیں مانا ہے۔ بَشَرًا مِّثْلَنَا کے الفاظ تو ہم تیرے احترام اور عزت کے لئے کہہ چکے مگر جب ہم صورتحال کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ دیکھتے ہیں کہ تو تو عام انسان بھی نہیں بلکہ ایک ذلیل انسان ہے جو حقیر اور گھٹیا لوگوں کا لیڈر بنا ہوا ہے۔ (نعوذ باللّٰہ من ذالك)

اگر آپ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر آنحضرت ﷺ کے زمانے تک کا جائزہ لیں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ دلیل ہمیشہ قائم رہی ہے۔ ایک ذرے اور شعشہ کا بھی اس میں فرق نہیں پڑا۔ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو اہل مکہ نے بھی یہی اعتراض کیا کہ تو غلاموں کا مولیٰ بنا ہوا ہے۔ تیرے پیچھے بلالؓ ہے، تیرے پیچھے خبابؓ ہے۔ اس قسم کے گھٹیا لوگ (نعوذ باللہ) تیری جماعت میں شامل ہیں، ہم تجھے کس طرح مانیں۔ تمام روؤسائے مکہ ایک طرف اور تھوڑے سے غریب لوگ، چند غلام اور چند لونڈیاں دوسری طرف۔ الغرض آپ کوئی تبدیلی بھی نہیں دیکھیں گے، نہ انبیاء کی نصیحت میں اور نہ ہی ان کی قوم کے جواب میں اور ہمیشہ قوم کو اس شک میں مبتلا پائیں گے کہ اب کوئی ہادی اور رہنما نہیں آسکتا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ کہتے ہیں وَمَا نَرٰىكَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ کہ ہمیں تو تم میں کوئی فضیلت نظر نہیں آتی۔ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ اس لئے ہم واضح طور پر بتا رہے ہیں کہ ہم تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تم مفتری ہو، اس سے زیادہ تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام اس دلیل کا کیا جواب دیتے ہیں؟ یہ ایک بہت اہم اور بنیادی بات ہے۔ جیسا کہ میں نے بتایا تھا ایسی نصیحت جو فطرت انسانی سے تعلق رکھتی ہو اس میں چونکہ فلسفیانہ اینچ پینچ نہیں ہوتا اس لئے بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اس میں تو واضح کر دیا جاتا ہے کہ چاہو تو مانو اور چاہو تو نہ مانو۔ مانو گے تو یہ ہوگا، نہیں مانو گے تو وہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۹﴾ (ھود:۲۹)

کہ اے قوم! تم یہ کیوں نہیں سوچتے اور کیوں اس بات پر غور نہیں کرتے کہ اگر میں خدا کی طرف سے کھلے کھلے نشانوں کے ساتھ بھیجا گیا ہوں اور میرے خدا نے مجھے اپنی رحمت عطا فرمائی ہے فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اور یہ بات تمہیں نظر نہ آئے، تمہاری آنکھیں اندھی ہو جائیں اور نہ پہچان سکیں کہ وہ لوگ جو خدا کی رحمت کے ساتھ آتے ہیں ان کے آثار اور ہوتے ہیں تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یہاں بھی بظاہر دعویٰ ہے لیکن دلیل اس کے اندر موجود ہے۔ جو اللہ کی رحمت کے ساتھ آتا ہے اس میں اور اس شخص

میں جو شیطان کی لعنت کے ساتھ آتا ہے زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے، نظری اور سرسری فیصلہ بتا سکتا ہے کہ کون خدا کے ساتھ ہے اور خدا کی رحمت کے ساتھ آیا ہے اور کون شیطانی صفات رکھتا ہے اور شیطان کی لعنتیں اس کے ساتھ وابستہ ہو چکی ہیں۔ فرمایا یہ تو کھلی کھلی بات ہے اگر تمہیں نظر نہیں آتا اور تم اندھے ہو چکے ہو تو میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں؟ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ جب تم پسند ہی نہیں کرتے تو میں کیسے زبردستی تمہیں منوا سکتا ہوں؟ بات یہاں ختم ہوگئی، مزید آگے نہیں چلی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے صرف اتنا کہا کہ فطرت کی آواز تھی لیکن جن کی فطرتیں مسخ ہو چکی ہیں ان تک نہیں پہنچ سکی۔ ایسے بصائر تھے جو بینات تھے، چاند سورج کی طرح روشن تھے۔ مگر جن کی آنکھیں اندھی ہیں وہ ان کو نہیں دیکھ سکے۔ میں اب اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا مجھ میں یہ طاقت نہیں کہ میں زبردستی تمہیں منوالوں۔

ایک اور بڑی عجیب بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ جب سے دلائل اور مجاہدے کا آغاز ہوا ہے ایسے مجاہدے کا جس کی تفصیلات قرآن کریم نے محفوظ فرمائی ہیں، جبر کا صداقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوا۔ جبر ہمیشہ مخالفین اور جھوٹوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے لے کر حضرت محمد مصطفی ﷺ کے وقت تک ایک واقعہ بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس میں سچوں کی طرف سے جبر کیا گیا ہو اور جھوٹوں نے نصیحت سے کام لیا ہو۔ بلا استثنا سچوں نے ہمیشہ نصیحت سے کام لیا اور جھوٹوں نے جبر کی کوشش کی۔ پس حضرت نوح علیہ السلام نے کہا اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ہمیں تو یہ بات سجتی ہی نہیں ہے کہ ہم جبر سے کام لیں۔ جبر سے ہمارا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، ہمیں تو کوئی سلیقہ معلوم نہیں جس کے ذریعے ہم صداقت کو زبردستی تمہارے اندر داخل کر سکیں۔ ہاں! اگر تمہیں جبر کے طریقے معلوم ہوں تو تم وہ استعمال کرتے رہو۔ لیکن سچائی کا جبر کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے ایک لمبی نصیحت کی جس میں فرمایا کہ دیکھو! تمہیں سچائی کے آثار کیوں نظر نہیں آتے۔ میں تم سے کوئی لالچ نہیں رکھتا، نہ ہی میں کوئی ذاتی مطالبات لے کر آیا ہوں، میں تو تم سے ماریں کھاتا ہوں، تکلیفیں اٹھاتا ہوں اور پھر بھی یہی کہتا ہوں کہ میرا اجر اللہ کے پاس ہے۔ کبھی تم نے جھوٹوں میں بھی یہ آثار دیکھے ہیں کہ کوئی ذاتی حرص نہ ہو بلکہ اپنے اموال لٹا رہے ہوں، کوئی مدد نہ چاہیں بلکہ دوسروں کی مدد کر رہے ہوں۔ دوسروں کی خاطر تکلیفیں اٹھا رہے ہوں اور

پھر بھی یہ کہیں کہ ہمارا اجر ہمارے خدا کے پاس ہے۔

اپنے ماننے والوں کے متعلق فرمایا کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ میرے ساتھ گھٹیا اور حقیر لوگ ہیں تو میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ یہ سچے ہیں۔ میں ان کے دل پر نظر رکھتا ہوں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان کے دل کتنے پاک ہیں اور ان میں میرے رب کے لئے کتنا پیار ہے۔ ان کے دلوں پر خدا کی نظر ہے اس لئے میں ان غریبوں کو تمہاری خاطر ہرگز دھتکار نہیں سکتا۔ کیسا دوٹوک اور صاف جواب ہے۔ باقی جہاں تک ان کی غربت اور کم مائیگی کا تعلق ہے حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ اگر چہ میں یہ دعویٰ تو نہیں کرتا کہ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور کسی ظاہری لالچ کے نتیجے میں یہ غریب آئے بھی نہیں کیونکہ میں نے اس قسم کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔ میں نے یہ تو نہیں کہا کہ آؤ گے تو تمہیں پیسے دوں گا بلکہ ایسے بلانے والے تو خدا کی خاطر خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے پیسے مانگا کرتے ہیں نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ لیکن میں تمہیں ایک بات بتا دیتا ہوں لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُکُمْ لَنْ یُّؤْتِیَھُمُ اللّٰہُ خَیْرًا میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ ان کو مالدار نہیں بنائے گا کیونکہ تقدیر الٰہی یہ ہے کہ وہ غریب جو اپنا سب کچھ لے کر خدا کی راہ میں حاضر ہوا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مالدار بنا دیا کرتا ہے اور ان کو غریب نہیں رہنے دیتا۔ یہ لوگ تمام دنیا سے زیادہ مالدار ہو جاتے ہیں اور دنیا کے لئے معطی بن جاتے ہیں۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ ۚ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہ میرے اللہ کو پتہ ہے کہ ان کے دل کی کیا حالت ہے۔ اگر تمہاری طرح میں بھی ان سے تذلیل کا سلوک کروں اور ان کو گھٹیا سمجھوں تو میں ظالموں میں سے شمار کیا جاؤں گا۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں وَلَا یَنْفَعُکُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَکُمْ اِنْ کَانَ اللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَکُمْ ؕ ھُوَ رَبُّکُمْ ۟ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ یعنی اے لوگو! میں تمہیں نصیحت تو کرتا ہوں لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر اللہ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ وہ تمہیں گمراہ رکھے تو میری نصیحت تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی خواہ میں کتنی بھی خواہش رکھوں کہ یہ نصیحت تمہیں فائدہ پہنچا دے۔ ھُوَ رَبُّکُمْ ۟ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ تمہارا رب میں نہیں ہوں وہ ہے تمہارا رب جس کے فیصلے کے نتیجے میں یا ہدایت ملتی ہے یا ہدایت سے تو میں محروم رکھی جاتی ہیں اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

کتنی عظیم الشان اور باقی رہنے والی صداقت ہے جو بیان فرمائی گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نصیحت تو اس لئے کرتا ہوں کہ وہ تمہارے دلوں میں اتر جائے۔ میری خواہش اور ارادہ ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے میں تمہیں سچائی کی طرف لے آؤں لیکن اس کے باوجود میں از خود کچھ نہیں کرسکتا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ میں ایک بے طاقت انسان ہوں، میں اپنی بے بسی سے واقف ہوں، میرے قبضۂ قدرت میں کچھ بھی نہیں ہے۔ ہاں! اللہ جو دلوں کا مالک ہے وہ اگر چاہے گا تو یہ نصیحت تمہیں فائدہ دے گی اور اگر نہیں چاہے گا تو فائدہ نہیں دے سکے گی لیکن اگر تم نے میری نصیحت نہ مانی تو تمہیں مجھ سے کوئی خوف نہیں کرنا چاہئے۔

مومنوں کو خدا نے کیسی عجیب نصیحت کی ہے اگر کوئی تمہاری نصیحت نہ مانے تو ہرگز غصہ نہیں کرنا، ہرگز دھمکی نہیں دینی، قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لینا، یہ فیصلہ نہیں کر لینا کہ چونکہ فلاں نے میری نصیحت نہیں مانی اس لئے میں اس کے ساتھ یہ سلوک کروں گا۔ اس کے مقابل پر جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا یہ کہنا چاہئے کہ اللہ تمہارا رب ہے میں تو تمہارا رب نہیں۔ جان تم نے اس کو دینی ہے اور اس کے حضور حاضر ہونا ہے۔ میں یہاں فیصلے کرنے لگ جاؤں کہ تمہیں یہ سزا ملے گی اور وہ سزا ملے گی تو کیسی غیر معقول بات ہوگی۔

اس طرز کلام میں بہت بڑی صداقت ہے۔ جو شخص خدا کی ہستی پر ایمان نہ لاتا ہو اور خدا پر افترا کر رہا ہو، اگر قوم اس کا پیغام قبول نہ کرے تو وہ آخرت پر بنا کر کے نہیں بیٹھ جاتا۔ اس کو تو نظر آ رہا ہوتا ہے کہ یہی دنیا ہے، جو کچھ ہوگا یہیں ہوگا۔ جھوٹے کو تو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اگر میں ناکام ہوا تو ہمیشہ کے لئے ناکام ہو جاؤں گا۔ اگر قوم نے میری بات کو رد کر دیا اور پھر میں نے اسے سمجھانے کے اور ذرائع اختیار نہ کئے تو گویا میں اس دنیا سے نامراد جاؤں گا، اس لئے وہ بات کو یہیں نہیں چھوڑتا۔ جب اس کا انکار کیا جاتا ہے تو پھر وہ اور ذرائع سوچتا ہے، فراڈ سے، دھوکے سے، چالبازیوں سے غرض یہ کہ جس طرح بھی بن پڑے وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔ اگر دہشت پسندی سے اس کا کام چلے گا تو وہ دہشت پسندی کو اختیار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔ چنانچہ اس وقت جتنی بھی دہریہ قومیں ہیں ان کے پیغام کو جب دوسری قومیں نہیں مانتیں تو وہ ہر قسم کے ہتھیار استعمال کرتی ہیں۔ کسی جھوٹے یا دہریہ سے آپ کبھی یہ بات نہیں سنیں گے کہ اگر تم اشتراکیت کو قبول کرتے

ہو تو کرو اور اگر قبول نہیں کرتے تو نہ کرو۔ خود ہی اللہ کو جواب دو گے۔ اسے تو یہ بات سجتی ہی نہیں۔ اگر ایسا کہے گا تو پاگلوں والی بات ہوگی۔ وہی انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے اور اسی کے منہ سے یہ کلمہ نکل سکتا جو اپنے رب پر اور یوم آخرت پر کامل یقین رکھتا ہے۔ اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ فرق ان کو پڑتا ہے جو نصیحت نہیں مانتے۔ جو سچا ہے وہ تو پیغام پہنچا کر ایک طرف ہو جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں تمہارا دکھ تو محسوس کر رہا ہوں لیکن تم اس دنیا میں میری طرف سے کوئی زیادتی نہیں دیکھو گے۔ کسی قسم کا جبر نہیں پاؤ گے کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ میرے رب نے مجھے بھیجا ہے اور مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ آخر تم نے مرنا ہے اور ایک دن خدا کے حضور پیش ہونا ہے اس لئے تم جانو اور تمہارا رب جانے۔ میں کیوں اس معاملے میں خواہ مخواہ دخل اندازی کروں۔

پھر ایک اور عجیب بات بیان کی گئی ہے۔ مذہب کی تاریخ ایسی ہے کہ سچے بھی ہمیشہ ایک ہی قسم کی باتیں کرتے ہیں اور جھوٹے بھی ایک ہی قسم کی باتیں کہا کرتے ہیں اس طریق میں آپ کوئی فرق اور تبدیلی نہیں دیکھیں گے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تک آجائیں جو آپؑ کے کامل غلام کا زمانہ ہے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سو فیصدی وہی دلائل سچائی کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں جو پہلے دیئے جاتے رہے اور سو فیصدی وہی دلائل جھوٹ کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں جو ہمیشہ مخالفین دیتے چلے آئے ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اپنی قوم کے انکار کی ایک وجہ بیان کر کے اس کا جواب دیتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نوح نے اللہ پر جھوٹ بولا ہے؟ کیسی احمقانہ باتیں کر رہے ہیں قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ فرمایا اے نوح! ان سے کہہ دیں کہ اگر میں نے جھوٹ بولا ہو تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا، تمہیں کیا تکلیف ہے۔

اس میں بھی ایک حیرت انگیز فطری دلیل دی گئی ہے جس کے لئے نہ کسی علم کی ضرورت ہے نہ منطق چالا کیوں کی ضرورت ہے۔ ایک سیدھی سادی دلیل ہے جو دل سے نکلتی ہے اور دل میں ڈوب جاتی ہے۔ پہلے یہ مسلک اختیار کیا کہ اگر تم خدا کے پیغام کو نہیں مانتے تو میرا تم پر کوئی جبر نہیں کیونکہ مجھے پتہ ہے کہ تم خود ہی جوابدہ ہو گے۔ اب فرمایا کہ جب میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتا، پیغام پہنچاتا ہوں اور ایک طرف ہٹ جاتا ہوں تو تمہیں کیا حق ہے کہ تم مجھ پر زبردستی کرو۔ اگر میں

جھوٹا ہوں تو عنداللہ میں سزا کے لائق ٹھہروں گا۔ میرے جرم کا وبال مجھ پر پڑے گا۔ تم کیوں تکلیف میں مبتلا ہو اور مصیبت میں پڑے ہوئے ہو کہ یہ جھوٹا ہے اس کو تباہ کر دو۔ جھوٹوں کو تباہ کرنا تو اللہ کا کام ہے جس پر جھوٹ بولا جاتا ہے، تم سچائی کے کیا لگتے ہو؟ کیا تم خدا کی طرف سے داروغہ بنائے گئے ہو کہ جھوٹوں کو تباہ کرنے کے لئے تمہیں کھڑا کیا گیا ہو۔ اگر تمہیں جھوٹوں کو تباہ کرنے کے لئے کھڑا کیا گیا ہے تو ساری دنیا جھوٹ سے بھری پڑی ہے۔ کہاں کہاں نپٹو گے اور کس کس کو ہلاک کرو گے؟ یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ حضرت نوحؑ فرماتے ہیں کہ معقول طریق ہے اور فطرت کی آواز ہے کہ میں تم سے ایک انسانی سلوک کر رہا ہوں۔ تم بھی مجھ سے اسی قسم کا سلوک کرو۔ میں تمہیں پیغام پہنچاتا ہوں۔ اگر تم اسے نہیں مانتے تو ٹھیک ہے میں تو خدا کی طرف بلا رہا تھا اور یہ کہہ رہا تھا کہ ایک دن تم بھی خدا کے پاس جاؤ گے۔ اس کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں رہتی۔ اگر میں سچا ہوں تو تم خود ہی دیکھ لو گے۔ اور اگر میں جھوٹا ہوں تو جس خدا پر جھوٹ بول رہا ہوں وہ مجھے پکڑے گا لیکن خدا کو تو میرے خلاف کوئی غیرت نہیں آ رہی اور تمہیں جوش آ رہا ہے۔ یہ کونسی معقول بات ہے۔ فرمایا فَعَلَيَّ إِجْرَامِي اگر میں خدا پر جھوٹ بول رہا ہوں تو میرے اس جرم کا وبال مجھ پر پڑے گا اور میں ہلاکت سے نہیں بچ سکتا اس لئے تم بالکل فکر نہ کرو۔ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ اور میں تمہارے جرموں سے بری ہوں۔ کیسی پاکیزہ دلیل ہے اور کیسا عمدہ طرز استدلال اس کو سمجھنے کے لئے نہ عربی دانی کی ضرورت ہے نہ انگریزی کے علم کی نہ فرانسیسی سیکھنے کی اور نہ ہی دنیا کی کسی اور زبان کو جاننے کی ضرورت ہے۔ انسانی فطرت کی ایک ایسی زبان ہے جسے ہر کوئی بیان کر سکتا اور سمجھ سکتا ہے۔ سچائی کا تعلق تو دلوں سے ہے۔ اگر سچائی دلوں میں داخل نہ ہو، جبر سے کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ جبر سے گردنیں تو کاٹی جا سکتی ہیں لیکن قائل نہیں کئے جا سکتے۔

پس انبیاء ہمیشہ دو طرفہ آزادی کے قائل رہے ہیں، یکطرفہ آزادی کے نہیں۔ لیکن بعض دفعہ علما کہہ دیتے ہیں کہ آزادئ ضمیر یکطرفہ ہے۔ یعنی سچائی کو تو جبر کا حق ہے لیکن جھوٹ کو نہیں حالانکہ یہی تو جھگڑا ہے جسے طے کرنا ہے کہ جھوٹ کونسا ہے اور سچ کونسا ہے؟ اگر دونوں فریق اپنے آپ کو سچا کہہ رہے ہوں تو اگر سچ کو جبر کا حق ہے تو دوسرے کو بھی یہ حق حاصل ہوگا اور اگر دونوں فریق ایک دوسرے کو جھوٹا سمجھ رہے ہوں تو اگر جھوٹ کو جبر کا حق نہیں تو پھر دوسرے کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے۔ اس لئے

نہایت ہی احمقانہ بات ہے کہ ایک فریق کو تو جبر کا حق ہے مگر دوسرے کو نہیں۔ یہ ایک غیر فطری چیز ہے اس لئے چل ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ علما کی بحثوں میں ایک صاحب نے ایک بڑا دلچسپ فقرہ لکھا۔ اس نے کہا کہ فلاں مولوی جو یہ کہتے ہیں کہ جبر یکطرفہ چلے گا۔ یعنی ایک طرف سے تو جبر جائز ہے مگر دوسری طرف سے نہیں، تو یہ صداقت تو نہ ہوئی یہ تو چوہے دان ہو گیا کہ اندر جانے کا رستہ تو ہے مگر باہر نکلنے کا کوئی رستہ نہیں۔

لیکن انبیاء کسی چوہے دان کا تصور پیش نہیں کرتے وہ ایک کھلی فضا کا تصور پیش کرتے ہیں اور ہمیشہ سچائی نے یہی مؤقف اختیار کیا ہے کہ آتے ہو تو شوق سے آؤ، جاتے ہو تو شوق سے جاؤ لیکن تمہیں یہ بتا دیتے ہیں کہ یہ آزادی چند دن کی ہے۔ ایک وقت ایسا آنا ہے کہ تم سب نے اس دروازے سے نکل جانا ہے جو دو طرفہ نہیں یعنی موت کا دروازہ۔ گویا انبیاء یکطرفہ رستے کا تصور تو پیش کرتے ہیں لیکن اور معنوں میں۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں تو دو طرفہ رستے ہیں۔ مذہب کے رستے سے تم اندر آ بھی سکتے ہو، باہر جا بھی سکتے ہو اور ایک دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں، تین دفعہ نہیں، جتنی بار چاہو آؤ اور جاؤ۔ لیکن اگر باہر جا کر مرے تو ہلاکت کی موت ہوگی۔ اب یہ تمہارا اور خدا کا معاملہ ہے۔ تم بے شک یہ کھیل کھیلو۔ سو دفعہ آؤ سو دفعہ جاؤ۔ لیکن اگر مذہب سے باہر پاؤں چلا گیا اور وہاں موت آ گئی تو پھر تم ہلاک ہو گئے۔ فرمایا ایک رستہ ایسا ہے جو یکطرفہ ہے اور وہ موت کا رستہ ہے یہاں سے تم ایک دفعہ چلے گئے تو پھر واپسی کبھی نہیں ہوگی۔ اسی یکطرفہ رستے سے ہم تمہیں ڈراتے ہیں۔ اس کا تصور کر کے خوف کرو اور اپنے اعمال کا جائزہ لو۔

حضرت نوحؑ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ تم کتنی بے باکی کے ساتھ میرا انکار کر رہے ہو۔ حالانکہ تمہیں انکار کا کوئی حق نہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں نے خدا پر جھوٹ بولا ہے۔ حالانکہ اگر خدا نے مجھ سے کلام کیا تھا تو اس کا خدا کو پتہ ہے یا مجھے، تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ کلام کیا تھا یا نہیں؟ جس نے کلام کیا وہ جانے اور جس سے کلام ہوا اس کو پتہ ہو، تیسرے آدمی کو کس طرح پتہ چل گیا کہ خدا نے کلام کیا یا نہیں؟ یہ اس دلیل کا دوسرا پہلو ہے۔ فرماتے ہیں فَعَلَيَّ إِجْرَامِي میں جانوں اور میرا رب جانے۔ تمہارے نزدیک خدا کو تو پتہ ہی نہیں کہ مجھ پر جھوٹ بولا جا رہا ہے اور تم جن کو کانوں کان خبر نہیں ہو سکتی کہتے ہو کہ یہ دعویدار جھوٹا ہے۔ خدا نے اس سے ہرگز کلام نہیں کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ خدا سے کلام کے دعویدار کو دنیا میں کوئی انسان قطعیت کے ساتھ جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں علم نہیں اور ہمارا دل مطمئن نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے تم سچے ہو، ہوسکتا ہے تم جھوٹے ہو، کیونکہ خدا نے ہمیں سنا کر پیغام نہیں بھیجا تھا اس لئے ہم تو صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں ہے۔ جب تک خدا ہمارے دل کو اطمینان نہ بخشے ہم لاعلمی کی حالت میں زندگی بسر کریں گے۔ یہ ایک جائز طریق اور ایک معقول نقطہ نظر ہے اور اگر کوئی اس عقیدے پر جان دے دے اور خدا اس کی ہدایت کا سامان نہ کرے تو قیامت کے دن اسے ان مجرموں کی صف میں کھڑا نہیں کیا جا سکتا جو عمداً کسی دعویدار کو مفتری کہتے ہیں۔

پس خدا سے ہمکلامی کے دعویدار کی ایک یہ دلیل بھی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ دیکھو! میرا دعویٰ تو اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا ہے۔ اگر تم مجھے مفتری کہو گے تو تم ضرور جھوٹے ہو جاؤ گے کیونکہ جس کو جھوٹا کہنے کا حق نہ ہو اور وہ کسی کو جھوٹا کہہ دے تو اگر وہ جھوٹا بھی ہو تو اسے جھوٹا کہنے والا بہر حال جھوٹا ہے۔ فرض کیجئے ایک واقعہ نہیں ہوا۔ اب جو شخص کہتا ہے کہ یہ واقعہ ہوا ہے وہ جھوٹا ہے۔ لیکن ایک اور شخص جس کو پتہ ہی نہیں کہ واقعہ ہوا یا نہیں وہ یہ حلف اٹھالے کہ واقعہ نہیں ہوا تو وہ بھی جھوٹا ہوگا باوجود اس کے کہ بات سچی کر رہا ہے لیکن ہے جھوٹا۔ چنانچہ قرآن کریم اسی قسم کی مثال دیتے ہوئے کہتا ہے کہ منافقین اللہ کی قسم کھا کر گواہی دیتے ہیں کہ اے محمدؐ! تو سچا ہے۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ گواہی تو ٹھیک دے رہے ہیں لیکن ہیں جھوٹے کیونکہ جو ان کا دل مانتا ہے اس کے مطابق یہ گواہی نہیں دے رہے۔ ان کو اس بات کی شہادت دینے کا حق ہی نہیں ہے کہ تو سچا ہے۔ پس جب بھی خدا کی طرف سے کوئی دعویدار کھڑا ہو تو وہ قوم کو یہ بتاتا ہے کہ تمہیں مفتری کہنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اگر تم ایسا کہو گے تو خواہ میں سچا ہوں یا جھوٹا تم ضرور جھوٹے بن جاؤ گے۔ اس لئے خدا پر معاملہ چھوڑ و اور استغفار سے کام لو کیونکہ جس کو جان دینی ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ دعویدار سچا ہے یا جھوٹا۔

حضرت نوح علیہ السلام کی یہ ساری نصائح اپنے اندر بہت گہرے سبق رکھتی ہیں۔ ان میں درد بھی پایا جاتا ہے اور سنجیدگی بھی۔ اور یہ چیزیں سچائی کے بغیر پیدا نہیں ہوتیں۔ کوئی جھوٹا نصیحت کرنے والا سنجیدگی اور درد کے ساتھ نصیحت کر ہی نہیں سکتا۔ اس لئے انبیاء کی باتیں اور نصائح ان کی صداقت کے دلائل بن جاتی ہیں۔

چنانچہ قرآن کریم آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۲﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۳﴾ (یونس: ۷۲-۷۳)

کہ اے محمدؐ! تو اپنی قوم کے سامنے نوحؑ کی خبر بیان فرما اور انہیں بتا کہ اس وقت کو یاد کریں جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں میرا منصب برا لگ رہا ہے اور تمہارے اوپر وہ مقام بوجھل ہے جو خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

انسانی فطرت کا ایک اور تجزیہ کر دیا کہ جب سے دنیا بنی ہے اور خدا نے انبیاء کا سلسلہ جاری فرمایا ہے ہمیشہ ہی اس چیز سے حسد پیدا ہوتا رہا ہے کہ ایک شخص خدا کا نمائندہ بن گیا۔ دنیا کے نمائندگان اپنے علم کے برتے پر، اپنے خاندانوں کے برتے پر، اپنی قوموں کے برتے پر اور دیگر فضیلتوں کے نتیجے میں اپنے اپنے حلقے میں لوگوں سے اپنی بادشاہی منوا چکے ہوتے ہیں اچانک ایک آواز اٹھتی ہے کہ میں خدا کی طرف سے ہوں۔

پس فرمایا اے محمدؐ! اپنی قوم کو بتا کہ تمہارا وہی حال ہے جو ہزاروں سال پہلے نوحؑ کی قوم کا تھا۔ ایک ذرہ بھی فرق نہیں۔ ان کے سامنے بھی جب یہ اعلان ہوا کہ خدا نے ایک شخص کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے تو قوم کو آگ لگ گئی، برداشت نہیں ہو سکا، جل بھن گئے یہ دیکھ کر کہ ہم میں سے ہی ایک مسکین کو جو غریبوں اور حقیر لوگوں کا نمائندہ ہے خدا نے ہم سب پر حاکم اور اولی الامر بنا دیا اور کہا کہ یہ حکم وعدل ہوگا۔ اس کے فیصلے ماننے پڑیں گے۔ الغرض خدا نے آنحضور ﷺ سے فرمایا کہ اپنی قوم کو بتا کہ جس طرح نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا میں بھی تمہیں وہی بات کہتا ہوں کہ اگر تم پر میرا مقام اور منصب بوجھل ہو گیا ہے، گراں گزرتا ہے اور برداشت نہیں ہو رہا اور تمہیں یہ بات تکلیف دیتی ہے کہ میں اللہ کی طرف سے نصیحت کرنے آیا ہوں تو میں تمہیں یہ بتا دیتا ہوں کہ ان دونوں باتوں میں میرا

توکل اللہ پر ہے۔ میں نے کسی کے ساتھ منصوبہ بنا کر یہ مقام حاصل نہیں کیا۔ میں نے کسی طاقت کے ساتھ ساز باز کر کے یہ اعلان نہیں کیا کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ تمہیں شاید یہ وہم ہے کہ میں اپنے منصب کی خاطر کسی طاقت کا سہارا لئے ہوئے ہوں اس لئے میں خوب کھول کر تمہارے کانوں سے یہ بات نکال دینا چاہتا ہوں کہ مجھے خدا نے یہ منصب عطا فرمایا ہے اور وہی اس منصب کی حفاظت کرنا جانتا ہے اسی پر میرا توکل ہے۔ ہاں میں تمہیں ایک اور ترکیب بتاتا ہوں اور وہ یہ کہ تم اپنی ساری طاقتیں مجتمع کر لو، خدا کے سوا جن پر تمہارا توکل ہے ان سب کو اکٹھا کر لو، پھر مجھے ہلاک کرنے کے لئے شک کی کوئی بات نہ رہنے دو، جو تدبیریں بن پڑتی ہیں بنا لو، جو کوشش کر سکتے ہو کر دیکھو، الغرض ساری قومی طاقتیں مجتمع کر لو اور خدا کے سوا جن کو طاقتور سمجھتے ہو ان سب کو اپنی طرف کر لو اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ یہ فلاں کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے تو کھلا کھلا اعلان ہے کہ وہ طاقتیں تم سنبھال لو مجھے تو ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان ساری دنیاوی طاقتوں کو اپنے پیچھے کھڑا کر لو اور پھر پورا زور لگا کر مجھے ہلاک کرنے کی کوشش کرو لیکن تم یقیناً ناکام ہو گے اور میں ہلاک نہیں ہوں گا۔

فطرت کی کیسی عظیم الشان دلیل ہے۔ دل سے اٹھتی ہے اور دل پر اثر کرتی ہے۔ اگر کوئی نہ مانے تو اس کو کھلم کھلا چیلنج دیا گیا ہے کہ مخالفت کر کے دیکھ لو اور مخالفت کرنا تو تمہارے بس میں ہے، مجھے مٹانے کے تمام ذرائع اختیار کرنا تمہارے بس میں ہے۔ تم کہتے ہو کہ میرے ساتھ چند کمینے اور حقیر لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں۔ اس صورت میں مجھے مٹانا کونسا مشکل کام ہے۔ پس ساری طاقتیں استعمال کر لو اور مجھے مٹانے کے لئے پورا زور لگاؤ لیکن میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ تم ناکام ہو گے اور میں کامیاب ہوں گا کیونکہ مجھے خدا نے بھیجا ہے۔

یہ بھی ایک ازلی ابدی دلیل ہے۔ وہ پہلا نبی جس کے پیش کردہ دلائل محفوظ کئے گئے وہ بھی فطری باتیں کہہ رہا تھا اور آخری نبی جو صاحب شریعت اور قیامت تک کا نبی ہے وہ بھی یہی باتیں کہہ رہا تھا اور آپؐ کی غلامی میں جو امام مہدی ظاہر ہوا اس نے بھی یہی باتیں کیں۔ ایک ذرہ بھی ان باتوں میں فرق نہیں۔

پس یہ ہے نصیحت بالحق۔ اس کے اور بھی بہت سے پہلو ہیں لیکن چونکہ اب وقت زیادہ ہو رہا ہے اس لئے انشاء اللہ اگلے خطبے میں اس مضمون کو جاری رکھوں گا۔ ابھی تو صرف حضرت

نوح علیہ السلام کی باتیں بیان کی گئی ہیں۔قرآن کریم نے تو بہت سے انبیاء کے متعلق مختلف رنگ میں بہت ہی عظیم الشان مضامین بیان فرمائے ہیں۔

پس اگر جماعت احمدیہ انبیاء کی طرح اپنی باتوں میں اثر پیدا کرنا چاہتی ہے تو انبیاء کے وہ رنگ ڈھنگ اختیار کرے جن کا ذکر قرآن کریم میں پایا جاتا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے جو طریق نصیحت بیان فرمایا ہے وہی بہتر ہے اور اسی میں سب سے زیادہ طاقت ہے۔کیونکہ صاف اور سیدھی باتوں سے زیادہ کسی دلیل میں وزن نہیں ہوسکتا خواہ وہ ظاہری لحاظ سے کتنی ہی شاندار نظر آئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بہترین رنگ میں داعی الی اللہ بننے کی توفیق عطا فرمائے اور انبیاء کی سنت کے مطابق ہمیں ایسی گہری اور وزنی باتیں کرنے کی توفیق دے جن میں ہمارا تقویٰ شامل ہو اور ان کا انکار کرنا مخالف کے بس میں نہ ہو۔دل سے نکلیں اور دل میں ڈوب جائیں۔کوئی پردہ نہ ہو جو درمیان میں حائل ہو سکے۔اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی ہی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۹ / اگست ۱۹۸۳ء)